خصوصی اشاعت

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

مدیر مسئول
مشرف علی تھانوی

ماہنامہ الامداد
لاہور پاکستان

مدیر
خلیل احمد تھانوی

جلد ۲	شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ / نومبر ۲۰۰۱ء	شمارہ ۱۲

الصوم

ازافادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات وحواشی: مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۱۰ روپیہ — زرسالانہ =/۱۰۰ روپے

پتہ دفتر۔
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون نمبر ۴۴۸۰۶۰
۵۴۲۲۲۱۳

ماہنامہ الامداد

ناشر: مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریتی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور، پاکستان

الصوم

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یہ وعظ نکوڑ ضلع سہارنپور بر مکان تحصیلدار صاحب ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ کو بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب نے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً دوسو ۲۰۰ تھی۔

وعظ

ملقب بہ

الصوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فقد قال النبی ﷺ قال اللہ تعالیٰ کل حسنۃ تضاعف بعشر الیٰ سبع مائۃ ضعف الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ۔

(ترجمہ: ہر نیکی بڑھائی جاتی ہے دس گنا سے سات سو گنا تک بجز روزہ کے اس لئے کہ وہ روزہ خاص میرا ہے اور میں اس کی جزا دونگا)

وجہ انتخاب مضمون

یہ ایک حدیث قدسی ہے۔حدیث قدسی جناب باری عز اسمہ کا وہ ارشاد ہے جس کی تلاوت کبھی نہ کی گئی ہو(۱)۔یہ حدیث جس کو اس وقت میں نے پیش کیا ہے اس

(۱) اللہ تعالیٰ کے جس ارشاد کی ہمیشہ تلاوت کی جاتی ہے اس کو قرآن حکیم کہتے ہیں۔اور جس حدیث کو اس طرح ذکر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو حدیث قدسی کہتے ہیں" کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" کے الفاظ سے قرآن کی آیت ذکر کی جاتی ہے۔اس لئے حضرت تھانویؒ نے کہا کہ یہ وہ ارشاد ہے جس کی تلاوت کبھی نہ کی گئی ہو۔

میں حق تعالیٰ نے روزہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس وقت یہ مضمون اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس وقت دو قسم کے روزہ کا وقت قریب آ گیا ہے ایک تو روزہ مستحب کا وقت قریب ہے تو وہ کل یا پرسوں ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ بحساب یہاں کی رویت(۱) کے تو پرسوں کو پندرہ شعبان ہے اور بعض تحریرات (۲) سے کل پندرہ شعبان ہے۔ اگر کسی کو تحقیق ہو جاوے اور پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ دوسرے روزہ فرض کا وقت بھی قریب ہے کہ پورے ماہ کا روزہ فرض ہے چونکہ دونوں قسم کے روزہ کا وقت قریب تھا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ روزہ کی فضیلت اور کچھ احکام بیان کر دئے جاویں۔

ہر چند کہ روزہ کے فضائل ایسے نہیں ہیں کہ کسی نے نہ سنے ہوں بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ علماء کے مواعظ سُنے ہیں کم وبیش خود بھی لوگ واقف ہیں تو اس حیثیت سے احتیاج (۳) بیان نہ تھی لیکن میں روزہ کی ایک فضیلت خاصہ بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ فضیلت من حیثیت ہی میرا مقصود (۴) بھی نہیں بلکہ اس سے میں ایک خاص طرز سے روزہ کے چند احکام مستنبط (۵) کروں گا اور احکام بھی لوگوں کے سُنے ہوئے ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے سُن کر ان کو یاد نہیں رکھتے ہیں اور اگر یاد بھی رکھتے ہیں تو ان کی عظمت نہیں میں ایسے عنوان سے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ان احکام کی عظمت حاضر ہو جاوے۔

حاصل یہ ہے کہ جتنی نیکیاں ہیں سب کا ثواب کئی گُنا کر کے ملتا ہے اور وجہ اس کی

---

(۱) یعنی شعبان المعظم کا چاند اس حصہ میں جس تاریخ کو نظر آیا تھا اس کے اعتبار سے (۲) یعنی اخبار وغیرہ میں جو تاریخ شعبان کی لکھی جاری ہے اسکے اعتبار سے (۳) بیان کی ضرورت نہیں تھی (۴) صرف فضیلت ہونے کے اعتبار سے میرا مقصود ہی نہیں (۵) بلکہ اس کے ذریعہ روزہ کے بعض مسائل نکال کر بیان کروں گا۔

یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت چونکہ واسعہ (۱) ہے اور منظور یہ ہے کہ بندوں کو کچھ مل جائے اس لئے نیکی کا بدلہ برابر سرابر نہیں ملتا ہے بلکہ اس میں اضافہ کا قانون (۲) ہے بخلاف سیئہ (۳) کے کہ برابر لکھے جاتے ہیں۔

ایک نیکی کے ثواب کی حد

چنانچہ ارشاد ہے من جاء بالحسنة فله خير منها ۔ یعنی جو شخص نیکی لاوے گا اس کے لئے اس سے بہتر ملے گا۔ مطلق مضاعفت (۴) تو اس آیت سے ثابت ہے اور دوسرے مقام پر اس کی تعیین بھی فرمادی چنانچہ فرماتے ہیں " من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ۔ الآية " (۵) یعنی جو شخص نیکی لاوے اس کے لئے اس کی دس مثل ہیں اور جو بُرائی کرے تو اس کو اس کے برابر جزاء ملے گی ۔ اس سے مضاعفت اور خیریت مذکورہ آیت سابقہ کی تعیین (۶) ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قانون عام ہے اس لئے کہ لفظ من عام (۷) ہے کوئی اس سے مخصوص نہیں۔

پس مضاعفت دس سے کم تو کسی حال میں نہ ہوگی اور جو حدیث میں اول پڑھی تھی اس سے منتہائے اکثری بھی اس مضاعفت کا معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص کے تفاوت سے سات سو تک مضاعفت (۸) ہوتی ہے یعنی اگر کوئی ایک پیسہ دے تو سات سو پیسوں کا، اگر ایک روزہ رکھے تو سات سو روزوں کا ثواب ملتا ہے ۔ علیٰ ہذا ایک

---

(۱) بہت زیادہ ہے (۲) کہ جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گنا ملے گا (۳) بخلاف گناہ کے کہ ایک کے بدلہ میں ایک ہی لکھا جائے گا (۴) مطلق زیادتی (۵) سورۃ الانعام آیت ۱۶۱ (۶) بہتر اور زیادہ ہونے کی جو مقدار گذشتہ آیت میں بیان کی تھی اس کی تعیین ہوگئی کہ وہ دس گنا ہے (۷) اس کے معنی "جو" کے ہیں جو ہر مسلمان پر صادق آتا ہے (۸) اکثر یہ زیادتی کسی حد تک ہوتی ہے اس کو بھی بیان کردیا کہ وہ سات سو گنا تک ہے۔

آیت پڑھے تو سات سو آیت کا۔ایک قرآن ختم کرے تو سات سو قرآن کا ثواب ملتا ہے اور اس منتہا کو جو میں نے اکثری کہا (لیکن یہ کثرت اضافی نہیں بلکہ فی نفسہ کثرت مراد ہے) تو وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں غور کرنے سے سات سو کی تحدید نہیں معلوم ہوتی (۱) بلکہ غیر متناہی مضاعفت ہوتی ہے اور متناہی سے مراد غیر متناہی بالفعل مراد نہیں بلکہ بمعنی لا تقف عند حد مراد (۲) ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کی ایک مثال ارشاد فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مضاعفت کا منتہا (۳) نہیں۔

قرآن سے ثواب لامحدود کا ثبوت

چنانچہ ارشاد ہے مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة (۴)۔یعنی جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کا حال ایسا ہے جیسے ایک دانہ ہو وہ سات بالیں اُگاوے اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اس کے آخر میں ارشاد ہے " واللہ یضاعف لمن یشاء " یعنی اور اللہ جس کے واسطے چاہیں اس سے بھی زیادہ بڑھادیں " واللہ واسع علیم " یہ جملہ ماسبق کی علت (۵) ہے کہ اس مضاعفت سے حیرت اور تعجب نہ کرو اللہ تعالیٰ صاحب وسعت ہیں ان کے یہاں تنگی

---

(۱) قرآن وحدیث میں غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ سات سو آخری حد ہے اس سے آگے بڑھتی ہی نہیں بلکہ بڑھتی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں (۲) لامتناہی سے مراد یہ ہے کہ اس کی انتہاء کی کوئی حد نہیں (۳) اس بڑھنے کی کوئی حد نہیں (۴) سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۱ (۵) پچھلے جملے کی علت ہے کہ اس میں نیکی کے بڑھانے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت گنجائش والے ہیں۔

نہیں اور اس کے ساتھ ہی دھوکہ میں پڑنے والے کا علاج بھی ارشاد فرمایا کہ وسعت پر مغرور مت ہو جاؤ اور یہ مت سمجھو کہ ہماری نیکی قابل مضاعفت (۱) ہے اس لئے کہ وہ علیم (۲) بھی ہیں یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کی نیکی مضاعفت کے قابل (۳) ہے اور کس کی نہیں اس لئے کہ مدار مضاعفت کا اخلاص پر (۴) ہے جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اُسی قدر مضاعفت ہوتی جاوے گی (۵) اور چونکہ اخلاص کی کوئی حد نہیں لہٰذا اس مضاعفت کی بھی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ الحاصل نیکی کا قانون عام کہ جس سے کوئی مؤمن مخصوص و مستثنیٰ نہیں ہوا کہ ایک نیکی کے بدلے دس ملتی ہیں اور باعتبار اکثر کے سات سو تک مضاعفت ہوتی ہے اور سات سو سے آگے غیر حد مضاعفت (۶) ہو سکتی ہے یہ تو آیت سے مضاعفت کا غیر محدود ہونا معلوم ہوا (۷)۔

حدیث سے نیکی کے لامحدود ثواب کا ثبوت

اب حدیث لیجئے، حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص ایک چھوارہ صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دست مبارک میں لیتے ہیں اور اس کی پرورش فرماتے ہیں " کما یربی احدکم فلوہ " یعنی ایسے پرورش فرماتے ہیں یعنی اس کو بڑھاتے ہیں جیسے ایک تمہارا اپنے بچھیرے کو پرورش کرتا ہے اور بڑھاتا ہے اور بچھیرے کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ عرب کے لوگ گھوڑوں کو

---

(۱) اس بڑھنے سے اس دھوکے میں نہ پڑ جانا کہ ہماری نیکی بڑھنے کے قابل ہے (۲) وہ جانتے بھی ہیں (۳) کہ کسی کی نیکی بڑھنے کے قابل ہے (۴) نیکی کے بڑھنے کا دارومدار اخلاص نیت پر ہے (۵) اخلاص کی کوئی حد نہیں اس لئے کہ نیکی کے بڑھنے کی بھی کوئی حد نہیں (۶) سات سو سے زائد کہ جس کوئی حد نہ ہو، نیکی بڑھ سکتی ہے (۷) نیکی کا لامحدود ہونا آیت سے معلوم ہوا۔

بہت محبوب رکھتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ ایک جنگ جو اور بہادر قوم ہے اور گھوڑا جنگ میں بڑا کام آنے والا ہے فرار(۱) میں بھی اور اگر میدان میں قائم رہ کر حرب(۲) میں مشغول رہیں تو اس میں بھی گھوڑا کام دینے والا ہے اور اگر مغلوب(۳) ہونے کی حالت میں بھاگنے کی ضرورت ہو تو اس موقع پر بھی گھوڑے سے زیادہ کوئی جانور کام کا نہیں اور حرب میں یہی دو موقع ہوتے ہیں کبھی قرار(۴) ہوتا ہے اور کبھی فرار۔ اور جیسے قرار فی الحرب(۵) شجاعت ہے اسی طرح فرار بھی عند الحالۃ شجاعت(۶) شمار ہوتی ہے اس لئے موقع سے اپنی جان بچا کر نکل بھاگنا یہ بھی درستی حواس سے ہوتا ہے درستی حواس جب ہی ہوگی جب کہ قلب ضعیف(۷) نہ ہو۔ آدمی دلیر اور بہادر ہو چنانچہ عرب جہاں اشعار میں قرار پر یعنی جمے رہنے پر فخر کرتے ہیں اسی طرح فرار یعنی میدان سے بھاگ جانے پر بھی فخر و ناز کرتے ہیں اس لئے کہ عرب کی شاعری نہایت سادہ رنگ لئے ہوئے ہے عجم(۸) کے تکلفات وہاں نہیں ہیں۔ غرض گھوڑا قرار اور فرار دونوں وقت میں چونکہ کام آتا ہے اس لئے وہ عرب کو بہت محبوب تھا اور ظاہر ہے کہ بچہ تو ہر شئے کا پیارا معلوم ہوتا ہے خاص کر محبوب کا بچہ تو اور بھی زیادہ محبوب ہوگا اس لئے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جیسے تم بچھیرے کو پالا کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس چھوارہ کو پرورش فرماتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں " حتیٰ یکون اعظم من احد " یعنی

---

(۱) میدان جنگ سے بھاگنے اور اس میں ثابت قدم رہنے میں گھوڑا بہت کام آتا ہے (۲) جنگ میں (۳) شکست کی صورت میں (۴) بھی ثابت قدم رہنا اور کبھی بھاگنا (۵) جنگ میں ثابت قدم رہنا بہادری ہے (۶) بعض حالات میں بھاگنا بھی بہادری ہے کہ بہت سے دشمنوں میں گھر جانے کی صورت میں وہاں سے اپنے آپ کو صحیح سلامت نکال لانا بہادری ہے (۷) کیونکہ یہ کام آدمی جب کر سکتا ہے کہ اس کے حواس ٹھیک رہیں اور حواس کا ایسے مشکل وقت میں صحیح رہنا جب ہوتا کہ دل کمزور نہ ہو اور آدمی بہادر ہو (۸) غیر عرب۔

اس چھوارہ کی اتنی تربیت فرماتے ہیں کہ وہ اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ بڑا ہو جاتا ہے اس حدیث کے اندر اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ سات سو کی تخصیص تحدید کے لئے نہیں اس لئے کہ چھوارہ کی برابر اُحد پہاڑ کے کئے جاویں تو سات سو کیا سنکھوں مہاسنکھوں(۱) سے بھی زیادہ پر نوبت پہونچے گی اور وزن کے اعتبار سے اگر چھوارہ کے برابر حصے کئے جاویں تو اور بھی زیادہ ہو جاویں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را　　　　کہ بیک گل میخری گلزار را

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد　　　　ہر چہ در وہمت نیاید آں دہد

ترجمہ: (ایسا بازار کہاں نصیب ہوگا کہ ایک پھول کے بدلے تمام چمن کے مالک بن جاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جان فانی لیتے ہیں باقی رہنے والی جان عنایت فرماتے ہیں جو کچھ وہم وگمان میں نہیں آسکتا وہ عطا کرتے ہیں۔)

ثواب میں کمی زیادتی اخلاص کی وجہ سے ہے

اور بڑھنا باعتبار اخلاص کے ہے جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب بڑھتا جائے گا اور اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ میرا صحابی اگر نصف مُد یعنی آدھ سیر جَو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ دوسرے کے اُحد کی برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ تو ہے نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے (توبہ توبہ) رشتہ داری ہے صرف بات یہ ہے کہ اُن حضرات کے اندر خلوص اور محبت اس قدر تھا کہ اوروں کے اندر اتنا نہیں اسی واسطے ان کے صدقات وحسنات(۲) بڑھتے چلے جاتے ہیں اور یہ کوئی عجیب

---

(۱) سو لاکھ کا ایک ارب اور سو ارب کا ایک کھرب اور سو کھرب کا ایک سنکھ ہوتا ہے اور سو سنکھ کا مہا سنکھ ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب لاتعداد ہوتا ہے (۲) نیکیاں۔

بات نہیں دنیا میں بھی ہم اس کی نظیر دیکھتے ہیں کہ ایک ہی کام ہے ایک آدمی اس کو ضابطہ کے موافق کرتا ہے اور دل سے نہیں کرتا اس کی کچھ قدر نہیں ہوتی اس کے ساتھ ضابطہ ہی کا برتاؤ بھی ہوتا ہے اور ایک دوسرا شخص اسی کام کو محبت سے اور دل لگا کر کرتا ہے اس کے دل میں قدر ہوتی ہے، اس کے ساتھ قانونی معاملہ نہیں کیا جاتا بلکہ جی چاہتا ہے(۱) کہ اس کو زیادہ نفع پہنچایا جاوے۔یہ بحث تو مضاعفت(۲) کے متعلق تھی حضور ﷺ کے ارشاد سے اور جناب باری تعالیٰ کے کلام پاک سے۔

روزہ کی جزاء کا ضابطہ

آگے استثنا فرماتے ہیں" الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ "(۳) یعنی ہر حسنہ میں مضاعفت ہوتی ہے لیکن روزہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے۔اس کے لئے دوسرا قانون ہے 'فانہ لی' یہ وجہ ہے دوسرا قانون ہونے کی یعنی وہ میرا ہے میرے لئے خاص ہے اس لئے ہم اس کا قانون اور حسنات سے جدا(۴) قرار دیتے ہیں " وانا اجزی بہ "یعنی وہ قانون دوسرا اس کے لئے یہ ہے کہ اس کی جزا بلا واسطہ ملائکہ کے ہم خود دیں گے۔ذرا بھی کسی کو عقل ہو تو وہ اس سے سمجھ سکتا ہے کہ جس عمل کی نسبت جناب باری تعالیٰ یہ فرمادیں کہ ہم خود اس کا بدلہ دیں گے تو وہ جزا بڑی عظیم الشان ہوگی۔جیسے حاکم یہ کہے کہ فلاں کارگذاری کا انعام ہم خود دیں گے، ہر شخص سمجھے گا کہ خدا جانے کیا عنایت ہوگا اور جب احکم الحاکمین یہ فرماوے تو وہ جزا تو بیحد ہوگی اور بے حد کے یہ معنی نہیں کہ غیر متناہی بالفعل(۵) ہوگی کہ اس پر محال ہونے کا

(۱) دل چاہتا ہے (۲) ثواب کی زیادتی کے بارے میں (۳) ہر نیکی بڑھتی ہے لیکن یہ ضابطہ روزہ کے متعلق نہیں ہے اس کے لئے دوسرا قانون ہے (۴) دوسری نیکیوں سے الگ (۵) یعنی بالکل ایسی جزاء ہو کہ جس کی کوئی حد ہی نہ ہو اس لئے کہ ایسا ہونا تو ناممکن ہے۔

اشکال ہو بلکہ بے حد ہونے کی صورت یہ ہے کہ غیر متناہی بمعنیٰ لاتقف عند حد(۱) ہے یعنی وہ جزا کسی وقت ختم نہ ہوگی یہ امتیاز تو باعتبار کمیت(۲) ہے اور ہوسکتا ہے کہ کیفیت کے اعتبار سے اس میں اور اجزیہ سے کچھ امتیاز(۳) ہو کہ روزہ کی جزا کیفا اور اعمال کی اجزیہ سے ممتاز ہو غرض روزہ کے درمیان میں خواہ مقدار کے اعتبار سے ہو یا کیف کی رو سے ہو اور حسنات سے اس جزا کی نوع علیحدہ(۴) ہوگی۔

حدیث میں اس سے بحث نہیں کہ وہ جزا کیا ہے اور اس کو کیا مناسبت ہے اس لئے کہ حاکم کو یہ ضرور نہیں کہ رعایا سے وہ یہ بھی بیان کر دیا کرے کہ کیا جزا دیں گے اور اس کو کیا مناسبت ہے اور نیز مقصود تو امتثال امر کی ترغیب(۵) ہے اور جزا کا بیان کرنا اس کا مدار نہیں۔ترغیب امتثال کے لئے تو اہل اطاعت کے نزدیک اتنا بھی کافی ہے کہ حاکم کا حکم ہے(۶)۔اور خیر ایک درجہ میں انتظار،تو اس کا اجمالاً مضائقہ نہیں مگر یہ کہ اس کی تعیین بھی ہو اور اس کے وجوہ مناسبت بھی معلوم ہوں یہ کسی درجہ میں بھی ضروری نہیں۔

باب عمل میں دو کوتاہیاں

اور اس باب میں دو لغزشیں(۷) ہو جاتی ہیں ایک لغزش تو دین میں مضر(۸) نہیں گو ایک درجہ میں لغزش ہے مگر دوسری مضر ہے۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

(۱) بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی حد پر رکے گی نہیں کبھی ختم نہیں ہوگی (۲) مقدار کے اعتبار سے دوسری نیکیوں اور روزہ میں یہ فرق ہے (۳) ممکن ہے کہ کیفیت کے اعتبار سے بھی دوسری چیزوں کی جزاء اور روزہ کی جزاء میں فرق ہو (۴) دونوں کی جزاء مقدار اور کیفیت دونوں اعتبار سے دوسری نیکیوں کی جزاء سے مختلف ہوگی (۵) حکم کی بجا آوری کا شوق دلانا ہے (۶) ماننے والوں کیلئے تو کام کرنے کیلئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ حاکم کا حکم ہے چاہے اس پر کسی بدلے کا ذکر کہیں بھی نہ کیا جائے (۷) کوتاہیاں (۸) نقصان دہ۔

فضائل وثواب کا جو وعدہ ہے اس پر امتثال (۱) کو مبنی کرنا کہ ان فضائل وثواب کے سبب تو عمل کرتا ہے یہ لغزش تو ہے مگر مضر نہیں (۲) اس لئے کہ وعدہ تو ہو ہی چکا ہے اُس کا وجود تو متیقن ہے (۳) تو اس شخص نے عمل کو اسی شی پر مبنی کیا ہے کہ اس کا وجود یقینی ہے ثابت بالنص (۴) ہے تو اس میں ضرر کچھ نہیں لیکن یہ دلیل قلت محبت (۵) کی ہے اور یہی سبب ہے اس کے لغزش ہونے کا اپنے مطلب کی محبت ہے ذات محبوب اس کو محبوب نہیں اگر ذات محبوب اس کو مطلوب ہوتی تو فضائل تو کیا اگر امتثال امر میں کوئی تکلف ہوتا بھی معلوم ہوتا تب بھی امتثال ترک (۶) نہ کرتا۔ دیکھو دنیا میں اگر کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس سے ملنے میں کتنی کتنی مصیبتیں جھیلتے ہیں گوارا اور نا گوارا سب ہی کچھ برداشت کرتے ہیں واللہ اگر محب صادق ہے اس کا مشرب (۷) تو یہ ہے کہ جس میں محبوب خوش ہو وہ کام کرنا چاہئے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ عیب باشد ازو غیر او تمنائے

ترجمہ: (فراق اور وصل کی کچھ حقیقت نہیں محبوب کی رضا طلب کرنا چاہئے اگر محبوب فراق کو پسند فرمائیں تو تم وصال کے طالب مت بنو اس لئے محبوب کی مرضی کے خلاف کی تمنا کرنا افسوس کی بات ہے)

اور صرف اس کی خوشنودی کے لئے کرنا چاہئے حتیٰ کہ یہ کہنا کہ آپ مل

---

(۱) فضائل وثواب کی وجہ سے احکام کی بجا آوری کرنا (۲) نقصان دہ (۳) یقینی ہے (۴) قرآن وحدیث سے ثابت ہے (۵) محبت کی کمی کی دلیل ہے (۶) اگر محبوب کی ذات اس کو مطلوب ہوتی تو حکم کی بجا آوری میں تکلیف بھی ہوتی تب بھی اس حکم پر عمل کو ترک نہ کرتا (۷) مذہب۔

جائیں یہ بھی نہ چاہئے لیکن چونکہ ایسی طبیعتیں بہت کم ہیں زیادہ طبیعتیں ایسی ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعیدوں کو سن کر عمل کی توفیق ہوتی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اعمال پر وعدہ فرمایا ہے ایک بناء تو عمل کی یہ تھی کہ جو مضر نہیں۔

عوام کے لئے مسائل کی حکمت وعلت دریافت کرنا جہالت ہے

ایک بناء دوسری ہے وہ نہایت خطرناک ہے وہ کیا ہے فہم حکمت یعنی عمل جب کریں گے جب اس عمل کی حکمت اور وجہ منسبت عمل وجزاء بھی ہماری سمجھ میں آجاوے افسوس ہے کہ اس زمانہ میں جس قدر تعلیم بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اس بناء فاسد کا شیوع(۱) ہوتا جاتا ہے۔جس کو دیکھئے کیا علماء کیا جہلاء سب اس میں مبتلاء ہیں اور ماشاء اللہ میرے جاہل کہنے پر شاید بعض تعلیم یافتوں کو شبہ ہوا ہو کہ ہم تو خاصے لکھے پڑھے ہیں چنانچہ خواندہ لکھے جاتے ہیں ہم کو جاہل کیوں کہا؟ بات یہ ہے کہ جاہل کے معنی یہ نہیں کہ لکھنا یا پڑھنا نہ جانتا ہو بلکہ جس فن کو کوئی نہ جانے وہ اس فن کا جاہل ہے اگر میں ڈاکٹر نہیں ہوں تو اگر اس فن میں دخل دوں تو میری حماقت ہے اس فن کے اعتبار سے میں جاہل ہوں اور جس شخص نے جو فن حاصل کیا نہ ہو وہ اگر اس میں محقق ہونے کی حیثیت سے گفتگو کرے یہ اس کی غلطی ہے اور اگر سائلانہ گفتگو کرے تو اگر وہ سوال غیر ضروری ہے تو یہ بھی حماقت ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی طبیب کے پاس دو مریض جو کہ فن طب سے بالکل ناآشنا ہیں آئے تو ایک نے تو نبض وقارورہ(۲) دکھلا کر نسخہ لکھوالیا اور دوا کی ترکیب وغیرہ دریافت کر کے دوا پینا شروع کر دیا اور دوسرے نے بھی نسخہ تو لکھوالیا مگر نسخہ کو دیکھ کر آپ نے طبیب سے قیل وقال(۳) شروع

(۱) اتنی ہی یہ غلط وجہ عام ہوتی جاتی ہے(۲) پیشاب (۳) بحث۔

کی کیوں حکیم صاحب آپ نے گل بنفشہ کیوں لکھا ہے. بجائے اس کے فلاں دوا کیوں نہ تحریر فرمائی اور گل بنفشہ پانچ ہی ماشہ کیوں لکھا چھ ماشہ کیوں نہ لکھا ظاہر ہے کہ طبیب کو یہ گفتگو اس مریض کی ناگوار گذرے گی اسکو تو اس قدر سوال کافی ہے کہ میرا مرض کیا ہے اور دوا کیا ہے اور بلا حجت دوا پینا شروع کر دیتا اس پر طبیب عتاب بھی کرے گا لیکن اسی عتاب کی حالت میں اگر کوئی طالب علم (جو اس طبیب سے فن حاصل کرنے کے لئے رہتا ہے) آجاوے اور وہ یہی بعینہ (۱) سوالات کرے کہ شیخ نے اس دوا کی مقدار کیوں لکھی ہے اور بجائے اس کے فلاں دوا کیوں نہیں لکھی تو طبیب برابر جواب دے رہا ہے۔ اس پر وہ مریض سائل بگڑ گیا کہ کیا وجہ ہے کہ ہم نے یہی سوال کیا تھا تو ہم پر تو عتاب ہوا (۲) اور اس نے پوچھا تو آپ نے جواب دیا وہ طبیب ظاہر ہے کہ یہ کہے گا کہ یہ تو فن حاصل کرنے آیا ہے اس کو سوال کا حق حاصل ہے اور اس کا مقصود یہی ہے اور آپ کا مقصد یہ نہیں آپ کو تو شفا مطلوب ہے۔ صاحبو! یہ مثال جب سمجھ میں آگئی تو اب اس سے صاف واضح ہو گیا کہ آپ صاحبوں کا حکمت سے سوال کرنا بالکل بے موقع ہے تعجب ہے کہ شب و روز گراموفون اور فوٹو گراف اور کمروں و بنگلوں میں رہنے کا شغل اور سوال یہ کریں کہ نماز کی فلاسفی کیا ہے اور روزہ کی حکمت کیا ہے آپ اپنے امراض کا علاج کیجئے۔

جاہلانہ سوال

مجھے ایک حکایت یاد آئی حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ رام پور جاتے ہوئے موضع اسلام نگر میں تشریف لائے ایک خانصاحب ایک جگہ کے رئیس مکان میں ٹھہرے

(۱) بالکل ایسے ہی سوالات کرے (۲) ہم سے تو ناراض ہوئے۔

ہوئے تھے ان کو خیال ہوا کہ مولوی صاحب تنہا ہیں ان سے باتیں کرنا چاہئے اب باتیں کریں تو کیا کریں۔اس لئے کہ ہر شخص سے وہی باتیں کی جاتی ہیں جو اس کے مذاق کے موافق ہوں سوچ بچار کر آپ پوچھتے ہیں کہ حضرت وہ چھوٹی چھوٹی باتیں کون سی ہیں جن سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے حضرت نے فرمایا کہ چھوٹی باتوں سے ہمارے یہاں نکاح نہیں ٹوٹتا۔خانصاحب کہنے لگے کہ حضرت یہی کفر وشرک کی باتیں،حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ خانصاحب جب کفر وشرک چھوٹی باتیں ہیں تو آپ کے نزدیک بڑی باتیں کون سی ہیں۔ خانصاحب چپ رہ گئے۔حقیقت میں اپنے مرتبہ سے زیادہ سوال کرنا خود ذلیل ہونا ہے۔

علتیں دریافت کرنے کا نقصان

ایسے ہی زمانے کے تعلیم یافتہ حضرات ہیں ان کی مثال بعینہ (۱) ایسی ہے جیسے ایک شخص پر فوجداری کا مقدمہ ہوگیا اور وہ دریافت کرتا پھرتا ہے کہ فلاں دفعہ جو تعزیرات ہند میں ہے اس کی کیا وجہ ہے اس کے ذمہ تو یہ ضروری ہے کہ اس کو فکر ہو جاوے اور وکلاء سے مشورہ کرے اور اپنی خلاصی کی کوئی صورت تجویز کرے۔

افسوس ہیکہ ہمارے اوپر ہزاروں مقدمے فوجداری کے قائم ہیں،لیکن ہم کو تنبہ نہیں ہم کو تو یہ ضروری تھا کہ قوانین دریافت کرتے اور اپنی گلوخلاصی (۲) کی کوئی تدبیر نکالتے ہم اسکے پیچھے پڑ گئے کہ اس کی کیا وجہ ہے اُس کی کیا وجہ ہے سو یہ سخت مضر ہے۔اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو حکم وعلل کچھ سمجھ میں آ گئے یا نہیں اگر سمجھ میں نہ آئے تب تو یہ ضرر ہوگا کہ امتثال کو مبنی کیا تھا فہم مبنی پر اور فہم ہوا نہیں (۳) اس لئے احکام پر عمل ہی نہ کرے گا ور ان کو لغو (۴) سمجھے گا۔جیسا کہ آجکل بہت سے ہمارے

(۱) بالکل ایسی ہی ہے (۲) جان چھڑانے کی (۳) حکم کی بجا آوری موقوف تھی مسئلہ کی علت سمجھ میں آنے پر اور علت سمجھ میں آئی (۴) بیکار

نوجوان مذہب کی پابندی صرف قومیت کے لحاظ سے کرتے ہیں۔ احکام الٰہیہ کی کچھ عظمت ان کے قلوب (۱) میں نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے سوالات کرنا یہ خود دلیل اس کی ہے کہ عظمت نہیں دیکھو گورنمنٹ کے احکام کی چونکہ دل میں عظمت ہے اس لئے ان کی وجہ کبھی نہیں پوچھی جاتی اگر کوئی پوچھتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ میاں احمق ہو سرکاری حکم ہے اور یہاں علماء سے حکمتیں اور علتیں دریافت کی جاتی ہیں۔

میں بقسم کہتا ہوں کہ علماء جو جاننے کی چیزیں ہیں سب کچھ جانتے ہیں بہت سے احکام کی حکمت بھی جانتے ہیں اور علت بھی مگر اس حکیم کی مثل (۲) ہیں کہ جاہل مریض کو اس نے جھڑک دیا تھا اور اگر کوئی طالب علم سوال کرتا ہے تو وہ شگفتہ ہو کر جواب دیتا ہے۔ ایک شخص میرے پاس ایک فرائض کا مسئلہ لائے اس میں بھتیجا اور بھتیجی تھے میں نے کہا میراث بھتیجے کو ملے گی کہنے لگے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ بھتیجی کو نہ ملے گی حالانکہ دونوں بھائی بہن ہیں، میں نے کہا کہ جناب نوکری چھوڑ دیجئے اور فارغ ہو کر ہمارے پاس رہئے ہم اول سے صرف ونحو فقہ پڑھا کر سراجی آپکو پڑھائیں گے، اس وقت اسکی وجہ سے آپ سوال کرنے کے قابل ہوں گے۔ اور اب تو یہ جواب ہے کہ سرکاری حکم اسی طرح ہے بہرحال یہ طرز اور اس پر بناء کار رکھنا سخت مضر ہے کہ اگر معلوم نہ ہو تب تو عظمت و وقعت نہ ہوگی اور کچھ سمجھ میں بھی آئے تو چونکہ علل و حکم منصوص (۳) کم ہیں اسلئے اکثر تخمین وظنی ہوں گے۔ کیونکہ بدوں (۴) خدا اور رسول ﷺ کے بتلائے ہوئے ہماری رسائی حقائق تک کب ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور

---

(۱) بڑائی ان کے دل میں نہیں (۲) حکیم کے مشابہ ہیں (۳) احکام کی علتیں اور حکمتیں قرآن وحدیث میں کم ذکر کی گئی ہیں (۴) اللہ اور رسولؐ کے بتائے بغیر۔

رسول ﷺ کے علم سے ہمارے علم کو جو نسبت ہے وہ اس سے بھی زیادہ بعید ہے کہ جیسے ایک صغیر سن (۱) بچے کے علم کو باپ کے علم سے۔

علتیں ذکر نہ کرنے کی وجہ

چنانچہ اب ملاحظہ فرمایئے کہ چھوٹے بچے کو آپ منع کرتے ہیں کہ کھٹا آم مت کھاؤ اور دلیل اس کی کچھ بیان نہیں کرتے۔ دو وجہ سے۔ ایک تو اس لئے کہ ہمارا اُس پر زور ایسا ہے کہ ہم جو بات اس سے کہدیں گے بلا دلیل و بلا چون و چرا اس کو ماننا ضرور ہے، دوسری وجہ اس کی کم فہمی ہے اگر وجہ بیان کی جاوے گی تو اس کی سمجھ میں نہ آوے گی، صاحبو! کیا خدا تعالیٰ کا اتنا بھی زور نہیں یا یہ گمان ہے کہ ہمارا علم کافی ہے جب تھوڑے حقوق اور تھوڑے تفاوت علم پر کم وکیف قطع (۲) ہو جاتا ہے تو خداوند تعالیٰ شانہ کے حقوق وعلم تو کہیں زیادہ ہیں تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ سے اس کا انتظار کریں کہ جب وجہ سمجھ میں آجاوے گی اس وقت مانیں گے اور چونکہ وہ محسن ہیں خالق ہیں اس لئے بعض جگہ حکم و اسرار خود بھی بیان فرما دیئے ہیں جیسے بچہ کی مثال میں باپ بعض مرتبہ کہتا ہے کہ آم کھٹے مت کھاؤ پھنسیاں نکل آویں گی اور جہاں بیان نہیں فرمایا وہاں اپنی طرف سے تراشنا سخت مضر (۳) ہے۔ بعض لوگ اس کاوش (۴) اسرار کے عذر میں کہا کرتے ہیں کہ صاحب ہم کو خود تو شبہ نہیں ہے لیکن بعض مخالفین پوچھتے ہیں ہم کیا جواب دیں اس لئے ہم پوچھتے ہیں سو یہ بھی نادانی ہے وجہ یہ ہے کہ پوچھ پوچھ کر

---

(۱) چھوٹی عمر کا بچہ (۲) جب تھوڑے حقوق اور تھوڑے علم کے وجہ سے کیوں اور کیسے وغیرہ کے سوالات نہیں کیے جا سکتے (۳) اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرنا سخت نقصان دہ ہے (۴) علتیں معلوم کرنے کی کوشش کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔

جواب دو گے تو کہاں تک دو گے کہیں تو بند ہو کر کہنا پڑیگا کہ ہم نہیں جانتے اس سے بہتر یہ ہے کہ سیدھی بات کہہ دو کہ بھائی علماء سے پوچھو ہم نہیں جانتے، جب وہ علماء سے پوچھیں گے تو علماء ان سے خود نبٹ لیں گے اور با قاعدہ اُن سے گفتگو کر لیں گے۔

علتیں پوچھنے والوں کے لئے مسکت جواب

اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر مذہب حق کے کچھ اصول ہیں اور کچھ فروع اور اصول مذہب حق کے عقلی ہیں نقل کو اس میں دخل نہیں تو جو شخص اصول کو تسلیم کئے ہوئے ہے اس کو تو اِس قدر کافی ہے کہ جب اصول تمہارے مسلّمہ ہیں تو فروع (۱) تو تم کو ضرور تسلیم کرنا ہوں گے اور اگر اصول ہی مسلّم (۲) نہ ہوں تو اول اصول میں گفتگو کرنا چاہئے جب اصول طے ہو جاویں گے فروع خود ان کے تابع ہیں پس اس قاعدہ سے معلوم ہو گیا کہ مسلمان ہو کر اگر جزئیات کی وجہ دریافت کرے اس کے کوئی معنی نہیں جزئیات کی وجہ دریافت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اصول اسلامیہ ہی میں کلام ہے تو ایسے شخص کو اول توحید و رسالت میں گفتگو کرنا چاہئے۔

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے دو شخص ایک بادشاہ کی حکومت میں رہتے ہیں ایک شخص اہل اطاعت میں سے ہے اور ایک باغی ہے جو مطیع ہے اس کو قوانین کی وجہ اور لم (۳) دریافت کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ جب اس نے بادشاہ کا بادشاہ ہونا اور اپنا رعایا ہونا تسلیم کر لیا تو اب احکام میں حجت نکالنا بے معنی ہے اس کے لئے یہی کافی ہے کہ جس کو میں بادشاہ مانتا ہوں یہ اس کے احکام ہیں اور باغی اگر دریافت

---

(۱) جب اصول تم نے مان لیا تو ان اصول سے جو مسائل معلوم ہوتے ہیں ان کو بھی ماننا پڑے گا (۲) اگر اصول ہی تسلیم نہ کرے (۳) اس قانون کی کیا وجہ ہے اور یہ کیوں ہے۔

کرے تو وہ اس لئے بے کار ہے کہ وہ بادشاہ کو بادشاہ ہی نہیں مانتا اس لئے بجائے توجیہ جزئیات کے اول اس سے بادشاہ کو بادشاہ منوائیں گے جب وہ مانے گا تو پھر احکام خود ہی اس کو ماننا پڑیں گے۔

غرض مخالفین کو جواب دینے کی غرض سے حکمتوں کا پوچھنا تو جیسا مثال مذکور سے مفہوم ہوا بالکل لغو ہے اور اپنے عمل کے لئے اگر ہے تو اس لئے لغو ہے کہ مسلمان کا بس یہ مسلک ہونا چاہئے

زباں تازہ کردن باقرار تو — نینگیختن علّت از کارِ تو

ترجمہ: (اے اللہ ہم نے آپ کی ہر بات پر تسلیم ورضا اختیار کی ہے ہم آپ کی قدرتوں اور احکام کی علت اور سبب دریافت کرنا فضول سمجھتے ہیں)۔

اگر کوئی کہے کہ بعض بزرگوں کے کلام میں بھی احکام کی حکمتیں پائی جاتی ہیں بات یہ ہے کہ جن حضرات کی زبان سے کچھ حکمتیں نکلی ہیں وہ انہوں نے کسی سے پوچھ پوچھ کر حاصل نہیں کی بلکہ اس کا طریق الہام کا بھی یہ ہے کہ بدوں کاوش(۱) انہوں نے عمل شروع کردیا تھا عمل کرتے کرتے حق تعالیٰ کی طرف سے ایک نور عطا ہوگیا اس سے سب حقائق کھل گئے تو تم بھی ایسا ہی کرو حسب استعداد(۲) تم پر بھی فضل ہوجاوے گا۔

تلاش حکمتوں کا نقصان

اور حقیقت میں شریعت نے یہ احسان کیا ہے کہ تفتیش(۳) حکمت سے منع کردیا ہے اور اس میں بڑی حکمت ہے اس لئے کہ اگر حکمتیں سوچ کر تم نے عمل کیا اور

(۱) بغیر کوشش (۲) استعداد کے مطابق (۳) حکمتوں کی تلاش سے۔

ہوں گی وہ تخمینی جیسا پہلے معلوم ہوا تو ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد وہ حکمتیں مخدوش ثابت ہوں تو جب بناء منہدم ہوگئی تو مبنی بھی نہ رہے گا(۱) تو ان حکمتوں کا دروازہ کھولنا گویا اسلام پر سخت حملہ کرنا ہے افسوس ہے کہ ہمارے بھائی اس راز کو سمجھتے نہیں۔ خلاصہ یہ ہیکہ اس پر امتثال کو مبنی کرنا سخت مضر(۲) ہے۔اس لئے روزہ کے متعلق بھی اس کے درپے مت ہو، ضروری بات سمجھ لو کہ روزہ کی جزا خود دیں گے خواہ وہ جزاء کچھ ہواور خواہ اس میں وجہ مناسبت تم کو معلوم بھی نہ ہو۔

''روزہ میرے لئے ہے'' کا مطلب

آگے فرماتے ہیں فانہ لی کہ روزہ میری شئے ہے یہ روزہ کی فضیلت ہے رہی یہ بات کہ روزہ کو اپنا کیوں فرمایا اس کے مختلف پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر عبادات ہیں ان کی کچھ نہ کچھ صورت بھی محسوس ہوتی ہے مثلاً نماز کی صورت رکوع، سجود، قیام، قعود محسوس زکوۃ کی صورت اعطاء(۳) محسوس ہے، حج کی صورت ارکان مخصوصہ امکنہ(۴) مخصوصہ میں ادا کرنا محسوس ہے، مگر روزہ ایسی شئے ہے کہ اس کی کوئی صورت محسوس نہیں، نماز پڑھو تو سب کو معلوم ہو جاوے گا کہ نماز پڑھ رہا ہے حج کرو تو سب دیکھیں گے بخلاف روزہ کے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی اس لئے کہ اس حقیقت چند اشیاء کا ترک(۵) ہے اور وہ محسوس نہیں، اگر کوئی کہے کہ ہم ایک شخص کو صبح سے شام تک مقید(۶) رکھیں یا ہر وقت اس کے پاس رہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ روزہ ہے یا نہیں تو

---

(۱) جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس پر جو عمارت بنی تھی وہ بھی گر جائے گی (۲) حکمتوں کے سمجھنے پر احکام کی بجا آوری کو موقوف کرنا سخت نقصان دہ ہے (۳) دینا (۴) مخصوص جگہوں یعنی بیت اللہ عرفات وغیرہ میں مخصوص ارکان یعنی احرام تلبیہ وغیرہ کہنا (۵) چند چیزوں کو چھوڑنا ہے (۶) قید میں بند رکھیں۔

وہ بھی محسوس ہوگیا جواب یہ ہے کہ اس سے بھی روزہ کا علم نہ ہوگا۔اس لئے کہ پیشاب پائخانہ غسلخانہ میں جانے کے وقت تو پہرہ ہٹاؤ گے تو اس میں ممکن ہے کہ وہ روزہ توڑ ڈالے تو آپ کو کیا خبر ہوگی؟ غرض جب روزہ ایسی چیز ہوئی تو اور عبادتوں میں ریا کا بھی احتمال ہوسکتا ہے مگر روزہ کے اندر یہ احتمال بالکل نہیں ہے اور اگر کوئی ظاہر کردے کہ میرا روزہ ہے تو پھر روزہ میں بھی احتمال ریا کا ہوجائے گا، میں کہتا ہوں کہ اس صورت میں بھی ریا نہ ہوگی اس لئے کہ دیکھنے والوں کو روزہ کی صورت تو نظر آتی نہیں صرف اسکے اخبار(۱) سے ہی معلوم ہوا کہ روزہ ہے اور ''الخبر یحتمل الصدق والکذب''(۲) ممکن ہے کہ اس کو جھوٹا سمجھا جاوے بخلاف اور عبادتوں کے کہ اگر انکار بھی کرے تب بھی وہ انکار مفید نہیں اس لئے کہ مشاہدہ کے خلاف ہوگا پس ایک معنی تو ''فانہ لی'' کے یہ ہوسکتے ہیں کہ یہ میرے ہی لئے خالص ہے اس میں نمائش کا احتمال نہیں۔

''فانہ لی'' فرمانے کی دوسری وجہ

دوسری وجہ فانہ لی فرمانے کی یہ ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب میں عبدیت کی شکل ہے مثلاً نماز حج وغیرہ یا بعض میں ایسی صفت ہے کہ مشترک ہے جیسے زکوٰۃ کی حقیقت کہ اعطاء ہے کہ عبدیت کی بھی صفت ہے اور الٰہ(۳) کی بھی بخلاف روزہ کے کہ جس کی حقیقت ترک الاکل والشرب والجماع(۴) ہے۔اور ان امور سے منزہ(۵)

(۱) خبر دینے سے (۲) خبر میں دونوں باتوں کا امکان ہے کہ سچی بھی ہوسکتی ہے جھوٹی بھی (۳) لوگوں کو دینا یہ خدا کی صفت ہے اور خدا کے حکم سے اپنے مال میں سے دینا یہ حکم کی بجا آوری کرنا بندہ کی صفت ہے زکوٰۃ کی ادائیگی میں دونوں صفات پائی جاتی ہیں (۴) روزہ کی حقیقت کھانے پینے اور ازدواجی تعلق کو ترک کرنا ہے (۵) اور ان امور کا ارتکاب نہ کرنا یہ اللہ کی صفت ہے۔

ہونا خاص صفت حق تعالیٰ کی ہے۔حق تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

معنی حدیث کی تشریح

اور اگر کوئی کہے کہ حدیث میں آیا کہ شب معراج میں جناب رسول اللہ ﷺ جب تشریف لے گئے اور ایسے مقام پر پہونچے جہاں فرشتے بھی نہ جاسکتے تھے اور آگے بڑھنا چاہا تو ندا آئی" قف یا محمد فان ربك يصلى " یعنی ٹہرو! اے محمد ﷺ اس لئے کہ آپ کا رب نماز پڑھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ بھی حق تعالیٰ کی صفت ہے اور اس حدیث سے منکرین حدیث کو تو یہ ضرر(۱) ہوا کہ انہوں نے اس کے حدیث ہونے ہی سے انکار کر دیا اور کم علم وکم فہموں کو یہ غلطی ہوئی کہ وہ اسکے ظاہر کا اعتقاد کر بیٹھے بات یہ ہے کہ یہاں صلوۃ کے معنی توجہ اور رحمت کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں " هـو الـذي يصلي عليكم "(۲) سے مراد رحمت بھیجنا ہے رہا یہ شبہ کہ رحمت وتوجہ فرمانا حضور ﷺ کو آگے بڑھنے سے کیوں مانع ہوا(۳)۔ بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ یوں تو ہر وقت مورد تجلیات اور رحمتوں کے رہتے تھے کہ کسی کو انبیاء اولیاء میں سے یہ مرتبہ حاصل نہ تھا۔لیکن اس وقت حق تعالیٰ نے چاہا کہ خاص تجلیات اور قرب خاص سے مشرف فرمادیں اور ان تجلیات خاصہ وقرب خاص کے لئے ضرورت تھی استعداد خاص کی، اس لئے ٹہرے رہنے کا حکم فرمایا کہ ابھی ٹہرو اللہ تم پر اپنے انوار ورحمت فائض فرما رہے ہیں تا کہ تمہارے اندر استعداد تام(۴) ہو جاوے، آئندہ

---

(۱) نقصان (۲) وہ وہ ذات ہے کہ جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے (۳) کیوں روکنے کا باعث ہوا (۴) ہر وقت آپ پر اللہ کی رحمتیں اور تجلیات نازل ہوتی رہتی تھیں۔

تجلیات کی(۱)۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں نماز کے معنی نہیں غرض نماز خاص صفت بندہ کی ہے بخلاف روزہ کے کہ اس میں ایک شان تنزیہ کی ہے، پس اس میں تشبہ (۲) ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اس لئے فرماتے ہیں کہ وہ ہماری شئے ہے۔

روایت کے معنی کی تحقیق

یہاں سے ایک لطیفہ ظنی طریق سے مستفاد(۳) ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور ظالمین کی نیکیاں مظلوموں کو دی جاویں گی تو بعض اہل لطائف نے کہا ہے روزہ نہ چھنے گا اس لئے کہ سرکاری جائیداد ہے اس کو کوئی نہ لے سکے گا مگر اس کا دعویٰ لطیفہ کے درجہ میں ہے ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو اور اس کے ساتھ ہی ایک اور بات بھی یاد آئی وہ یہ ہے کہ 'انا أجزی به' میں ایک نسخہ 'انا أُجزی به' بصیغہ مجہول بھی مشہور ہے اس کے معنی مشہور یہ ہیں کہ روزہ میرا ہے اور اس کے بدلے میں میں دیا جاؤں گا۔ یعنی اس کا بدلہ یہ ہے کہ میں اس کو ملوں گا اور یہ مضمون گو فی نفسہ صحیح ہو کہ حق تعالیٰ اس کے بدلہ میں مل جاویں اور اس پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی......

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دن دربار کیا اور یہ حکم کیا کہ جو شخص جس شئے (۴) پر ہاتھ رکھدے گا اس کو وہی شئے دی جاوے گی، چنانچہ لوگوں نے اپنی خواہشوں کے موافق ایک ایک شئے پر ہاتھ رکھدیا۔ ایک لونڈی نے ہارون الرشید کی کمر پر ہاتھ رکھدیا۔ ہارون رشید نے کہا یہ کیا؟ کہا کہ جب آپ میرے ہوگئے تو یہ

---

(۱) یعنی آپ ٹھہر جایئے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی تجلیات خاص نازل فرمارہے ہیں جن سے آپ میں یہ قوت پیدا ہو جائے کہ آئندہ کی تجلیات کو برداشت کر سکیں (۲) پس اس میں ایک اللہ کی ایک صفت میں مشابہت اختیار کرنا ہے (۳) نکلتا ہے (۴) چیز

چیزیں میری ہو گئیں، اس لئے میں نے آپ کا انتخاب کیا ہے، بس جس کو خدا تعالیٰ مل گیا اس کو سب نعمتیں مل گئیں، غرض یہ مضمون تو فی نفسہ (۱) صحیح ہے مگر غلطی یہ ہے کہ اس حدیث سے نکالا جاتا ہے۔ جو شخص ذرا بھی عربیت سے مس (۲) رکھتا ہوگا وہ ہرگز اس سے یہ معنی نہ سمجھے گا اس لئے کہ عربیت کے اعتبار سے اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میں جزا دیا جاؤنگا یعنی نعوذ باللہ مجھ کو کوئی جزا دے گا نہ یہ کہ میں جزا میں مل جاؤنگا کہ یہ اس کا ترجمہ نہیں ہے۔ پس یہ نسخہ غلط ہے صحیح وہی ہے انا اجزی بہ یعنی میں اس کی جزا دوں گا ، اور روزہ کی فضیلت یہ کیا کچھ کم ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں جزا دوں گا، خیر یہ مضامین تو تبعاً بطور لطیفہ کے ہیں۔

روزہ میں قابل اہتمام بات

مجھ کو فانہ لی سے ایک مضمون خاص مستنبط کرنا ہے جو کہ نہایت کارآمد ہے وہ یہ ہے کہ جب یہ فرمایا کہ روزہ میرا ہے تو جب ہم نے روزہ رکھا تو گویا ہم زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ لیجئے حضور یہ آپ کے لئے ہے۔ اب آپ یہاں سے سبق حاصل کیجئے کہ اگر حاکم ضلع کے لئے شئے تحفہ کے طور پر بھی لیجاؤ خاص کر جب کہ حاکم خود فرمائش بھی کرے تو اس کا کس قدر اہتمام کرو گے جہاں تک ہو سکے گا عمدہ صاف ستھری شئے (۳) لے جاؤ گے اور اگر احتمال بھی اس میں عیب کا ہوگا تو اس کو ردی (۴) کر دو گے، دوسری منگاؤ گے۔ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر حق تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہنا کہ روزہ میں بھی اتنا یا اس سے آدھا ہی اہتمام ہوا ہے؟۔ بفضلہ تعالیٰ اکثر تو روزہ

(۱) اپنی ذات کے اعتبار سے تو یہ مضمون درست ہے (۲) جو شخص تھوڑی سی عربی بھی سمجھتا ہوگا (۳) چیز (۴) مسترد کر دو گے۔

ہی نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ روزہ کی فلاسفی ہے کسر قوت بہیمیہ (۱) تو جب یہ علت ہے تو ہم اپنے اندر اس قوت کو مغلوب پاتے ہیں خاص کر بعض نام کے مولویوں کا ترجمہ بعض نے جب سے دیکھا ہے اور زیادہ دلیری بڑھ گئی۔

بعض غلط ترجموں کی نشاندہی

اس زمانہ میں ایک قرآن شریف کا ترجمہ طبع ہوا ہے اس میں وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ کی تفسیر میں لکھدیا ہے کہ جو شخص روزہ نہ رکھے وہ فدیہ دیدے اس سے لوگوں کی جرأت بڑھ گئی اور بجائے روزہ کے فدیہ کو کافی سمجھ لیا۔ یاد رکھو کہ یہ تفسیر اس آیت کی بالکل غلط ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ ترجمہ کرنے والا ہی علوم سے بالکل جاہل ہے۔ اس لئے کہ مولوی تو مولا والا ہے، نفس علم کی وجہ سے اگر کوئی مولوی ہو جاوے تو شیطان بڑا عالم ہے۔ بلکہ معلم الملکوت (۲) مشہور ہے خدا جانے یہ کہاں کی روایت ہے کسی بزرگ کے کلام میں ہو تو اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ علوم میں فرشتوں سے زیادہ ہے یہ مطلب نہیں کہ فرشتوں کو میانجی (۳) کی طرح پڑھایا کرتا تھا۔ اور شیطان کا علم میں زیادہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مولویوں کو بہکاتا ہے۔ مولوی کو وہی شخص بہکا سکتا ہے جو اس سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ دیکھئے اگر وکلاء کو کوئی دھوکہ دے تو وہ وکالت دانی (۴) میں اس سے زیادہ ہوگا۔ جب مولویوں کو بھی دھوکہ دیدیتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ مولویوں سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ مگر صاحبو! علم تو اور ہی شئے ہے علم وہ ہے جس کی نسبت فرماتے ہیں

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت — زنگِ گمراہی ز دل بزدایدت
تو ندانی جز یجوز ولا یجوز — خود ندانی تو کہ حوری یا عجوز

---

(۱) قوت حیوانیہ کو توڑنا (۲) فرشتوں کا استاد (۳) بچوں کو پڑھانے والے استاد کی طرح (۴) وکالت جاننے میں

ترجمہ: (حقیقت میں علم وہی ہے کہ تم کو راہ حق دکھادے اور تمہارے دل سے گمراہی کا زنگ دور کردے تم سوائے یہ چیز جائز ہے اور یہ چیز ناجائز ہے کے کچھ خبر نہیں تمہیں تو اپنا علم بھی نہیں کہ تم مقبول ہو یا مردود)

جس نے تمام عمر ڈپٹی کلکٹری کی ہو وہ قرآن کا کیا ترجمہ کرے گا بڑا کمال اس ترجمہ کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ محاورہ کے موافق ہے، میں کہتا ہوں کہ مسلّم (۱) ہے لیکن جب غلط ہوا تو کس کام کا اگر "حرمت علیکم امھاتکم "کا ترجمہ کوئی یہ کرنے لگے کہ نماز پڑھو تو یہ ترجمہ ہی نہیں، چنانچہ اس ترجمہ کا ایک مقام مجھ کو یاد آیا سورۂ یوسف میں ہے "ذھبنا نستبق" استباق کا ترجمہ ان مترجم صاحب نے کبڈی کھیلنا کیا ہے۔ یہ ترجمہ نقلاً بھی بالکل غلط ہے اور عقلاً بھی۔ نقلاً تو اس لئے کہ لغت میں دیکھ لیجئے کہ استباق کے کیا معنی ہیں۔ کیا خلاف لغت ترجمہ بھی معتبر ہوگا؟ استباق کے معنی آپس میں دوڑنا ہے کہ دیکھیں کون آگے نکلے اور چونکہ عقل پرستی کا آج کل زور ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ عقلاً بھی یہ ترجمہ غلط ہے اس لئے کہ کبڈی کھیلنے میں اتنے دور نہیں جایا کرتے کہ جس سے محافظ بچہ کی نسبت بھیڑیئے کے کھاجانے کا احتمال ہو، اگر ایسا ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام ضرور جرح فرماتے بہر حال "وعلی الذین یطیقونہ" کی یہ تفسیر نہیں ہے اور نہ فدیہ دینے والے بری ہو سکتے ہیں اور نہ یہ کہہ کر بری ہو سکتے ہیں کہ روزہ تہذیب نفس کے لئے ہے ہم تو خود مہذب ہیں اس لئے کہ اول تو یہ کہنا ہی غلط ہے کہ ہم مہذب ہیں اور دوسرے تہذیب نفس روزہ کی حکمت ہے نہ کہ بناء وعلت (۲) یہ خرابی اس کی ہے کہ احکام کو مخترع (۳) حکمتوں پر مبنی کرتے ہیں یہ تو

(۱) یہ بات تسلیم ہے (۲) اس کی حکمت ہے بنیاد اور علت نہیں (۳) خود ساختہ حکمتوں پر مبنی کرتے ہیں۔

ان کا ذکر ہے جو تاویلیں کر کے روزہ رکھتے ہی نہیں۔

روزہ میں واجب الترک کام

اور بعض وہ ہیں جو رکھتے ہیں لیکن اس کے حقوق ادا نہیں کرتے انہوں نے روزہ نام فقط اس کا رکھا ہے کہ کھانا پینا چھوڑ دیا جاوے۔صاحبو! اگر حاکم تم سے یہ کہے کہ ایک آدمی کی ضرورت ہے اور تم اندھا، بہرہ، لنگڑا، لولا، اپاہج محض لے جاؤ تو کیا حاکم اس سے خوش ہوگا ہرگز نہیں۔ بلکہ حتی الوسع (۱) اس کی کوشش کرو گے کہ مرضی کے موافق آدمی ہو تو روزہ میں یہ قاعدہ کیوں مہمل چھوڑ دیا۔ آنکھ، زبان، ہاتھ پاؤں سب ہی کو گناہوں سے بچانا چاہئے دیکھو جب روزہ میں وہ چیزیں حرام کردی گئی ہیں جو مباح تھیں تو جو پہلے سے حرام ہیں وہ تو بطریق اولی واجب الترک ہوں گی اور اگر روزہ میں گناہ ترک نہ کئے تو اس کا روزہ کیا ہے؟ نام کا روزہ ہے۔اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض لوگوں کو روزہ میں سے صرف بھوک پیاس اور جاگنا ہی میسر ہوتا ہے اور بعض لوگ اطمینان حاصل کرنے کے لئے دنیا کے تعلقات تو کم کردیتے ہیں لیکن بجائے اس کے شطرنج، گنجفہ (۲)، بدنگاہی (۳) اور ناول دیکھنا اختیار کرتے ہیں یاد رکھو کہ یہ افعال سم قاتل (۴) ہیں ان کو معمولی نہ سمجھیں گھر پھونکنے (۵) کے لئے ایک چنگاری بھی کافی ہے ظاہراً یہ افعال خفیف معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں سخت ہیں۔

شطرنج کھیلنے اور ناول پڑھنے کا نقصان

ادنیٰ بات یہ ہے کہ شطرنج سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔اور غفلت تمام امراض

---

(۱) اپنی طاقت کے مطابق (۲) تاش (۳) بری نظر سے عورتوں یا نابالغ بچوں کو دیکھنا (۴) ہلاک کردینے والا زہر (۵) گھر جلانے کیلئے۔

کی جڑ ہے طبیبوں سے پوچھئے کہ زکام کیا ہے اگر علاج میں ذرا غفلت کی جاوے تو سینکڑوں امراض کا مقدمہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح ناول دیکھنا اس میں بھی اس قدر مشغولی ہوتی ہے کہ سوائے اسکے قلب میں کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ غفلت تو کچہری میں کام کرنے اور روٹی کھانے پکانے سب میں ہوتی ہے۔ تو چاہئے کہ سب چھوڑ دیں۔ بات یہ ہے کہ کام دو قسم کے ہیں ایک ضروری اور ایک غیر ضروری۔

ضروری اشتغال کا یوں تجربہ ہوا ہے کہ مضر نہیں ہوتے اس لئے کہ اس کو ضروری سمجھ کر آدمی اس میں پھنستا ہے اور جب اس کو ضروری سمجھا تو اصلی کام دوسری شے کو سمجھے گا تو دل اسی اصلی کام کی طرف رہیگا۔ کہ اس کام سے فارغ ہوکر اپنا اصلی کام کریں گے۔ اور جو تھوڑی سی غفلت اس میں ہو جاتی ہے اس کیلئے استغفار کا حکم فرمایا ہے استغفار سے وہ دھل دھلا جاوے گی۔ اور غیر ضروری کی نسبت یہ تو خیال ہے نہیں کہ یہ ضروری ہے اس لئے اس کو ہی مقصود سمجھے گا وہ مضر ہے۔ اور مورث غفلت (۱) ہے۔ اور یہ غفلت بڑھتے بڑھتے مفضی الی الکبائر بلکہ الی الکفر (۲) ہو جاتی ہے۔ بالخصوص ناول سے ایک بڑا ہی سخت مرض پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس کے دیکھنے سے بدمعاشی کے طریقے خوب یاد ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ناول کے شیدائی پرانے قصوں پر اعتراض کرتے ہیں اور تاریکی اور خلاف تہذیب سمجھتے ہیں لیکن اس تاریکی اور اس روشنی میں اس قدر فرق ہے کہ اس تاریکی میں وقت تو ضائع ہو جاتا ہے لیکن اخلاق پر برا اثر نہیں پڑتا۔ اسلئے کہ وہ قصہ

(۱) دو نقصان دہ اور غفلت پیدا کرنے والی ہے (۲) یہ غفلت بڑے گناہوں بلکہ کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

صریحاً کذب اور عادۃً مستحیل(۱) ہیں۔ مثلاً گل بکاؤلی کا قصہ۔ گل بکاؤلی کی جو تصویر اور جنوں کی عملداری وغیرہ من الخرافات(۲) ان قصوں سے کوئی ترکیب بدمعاشی کی نہیں سیکھ سکتا کیونکہ اس میں وصال بکاؤلی کا طریقہ ایک جن مہربان ہو کر پہنچا دیتا ہے۔ تو اس کو کوئی کس طرح حاصل کرے گا بخلاف ناولوں کے کہ اس میں لکھا ہے کہ ماما کے ہاتھ رقعہ بھیج دیا جس کو ہر شخص کر سکتا ہے۔

(ضبط کنندہ عرض کرتا ہے کہ ناول کا طرز چونکہ ایسا دکھلایا جاتا ہے جیسے واقعات ہوتے ہیں، اس لئے ان کا اثر خبیث پڑتا ہے کہ اکثر آدمی اسکے دیکھنے سے عشق نساء یا اطفال میں مبتلا ہو جاتا ہے اور قلب میں سوزش کی سی کیفیت ہو جاتی ہے اور یہ سخت مضر(۳) ہوتا ہے ۱۲ جامع)

اسی طرح بعض لوگ دنیا کے سب کام چھوڑ کر روزہ میں غیبت کے اندر مشغول ہو جاتے ہیں۔ چار آدمی بیٹھ گئے اس پر طعن اس کی برائی۔ اور جو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ میاں روزہ بھی کسی طرح کٹے۔ الحاصل روزہ میں ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ سب کی حفاظت کرنی چاہئے ان سب گناہوں سے روزہ کی برکت کم ہو جاتی ہے۔ خصوصاً معدہ کا گناہ یعنی حرام کھانا اس کو تو ضرور ہی چھوڑ دو۔ کہ یہ تمام خرابیوں کی جڑ ہے حکم تو یہی ہے کہ ہمیشہ کے لئے اس کو ترک کردو۔

متقی بننے کی ترکیب

لیکن کیونکہ ایک دم سے چھوڑنا کم ہمت لوگوں کو شاق(۴) ہے اسلئے میں یہ تو

(۱) کھلا جھوٹ اور عادۃً ناممکن ہے (۲) بے ہودہ قصے (۳) آج کل اس سے بھی سخت نقصان دہ ٹی وی ڈرامے فلمیں اور انٹرنیٹ ہے (۴) مشکل ہے۔

ضرور کہوں گا کہ ایک ماہ کیلئے اپنا نفس سے صلح کرلو اور نفس سے کہدو کہ اے نفس صرف ایک ہی ماہ کیلئے متقی بن جا۔ پھر اختیار ہے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اب جو نفس کو تقوی پہاڑ نظر آتا ہے اس کے بعد تقوی اس قدر مشکل نہ سمجھے گا اور شدہ شدہ(۱) دائمی تقوی اسے بھی میسر ہو جاویگا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایک ماہ متقی ہو جانے سے تقوی کی ایک حلاوت(۲) محسوس ہوگی کہ جس کو آپ اس وقت محسوس نہیں کرتے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ حق تعالی کی اطاعت میں ایک حلاوت ہے کیونکہ جس وقت یہ نفس کو روکے گا اس کے روکنے میں ایک حظ(۳) ہوگا کہ اس کے برابر کسی شے میں حظ نہیں ہے۔ اسی واسطے جوانوں کو جو لطف عبادت میں آتا ہے وہ بڑھاپے میں نہیں ہوتا۔

خود قوی تر می شود خمر کہن　　خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

لیکن اگر جوانی گذر گئی تو بڑھاپے ہی کو غنیمت سمجھنا چاہئے کہ آئندہ آنے والی حالت میں یہ بھی نہ ہوگا جواب ہوسکتا ہے بہرحال فلسفی طور پر سے ثابت ہے کہ عبادت میں لطف ہوتا ہے جب اسی طرح تقوی کے ساتھ پورا مہینہ گذر جاوے گا تو شوال میں آپ کو یاد آوے گا کہ ہم نے نگاہ کو روکا تھا کیسا لطف آیا، حلال کھانا کھایا تھا کیسا نور پیدا ہوا تھا اور آپ کو ایک امتیاز(۴) حلال حرام میں حاصل ہوگا۔ پھر ان ہی حظوظ(۵) کو جی چاہے گا اور ہمت بڑھے گی۔ اس طرز سے انشاء اللہ امید ہے کہ تقوی دائمی(۶) حاصل ہو جاوے گا اور تقوی سے یہ بھی فائدہ حاصل ہے کہ جو شخص تقوی کرتا ہے اس کو پریشانیاں نہیں ہوتیں۔ ہر کام میں اس کو سہولت ہوتی ہے۔ مگر شرط ہے کہ

(۱) آہستہ آہستہ (۲) مٹھاس (۳) لطف آئے گا (۴) فرق (۵) انہی لذتوں کے حاصل کرنے کو دل چاہے گا (۶) ہمیشہ کا تقوی۔

اس نیت سے تقوی نہ کرے پھر بعد رمضان شوال میں نفس سے صلح کرے کہ اے نفس ہر ماہ میں سے ایک ہفتہ کیلئے تقوی کو اختیار کرے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ دن بڑھاتا جائے حتی کہ ایک دن وہ ہوگا کہ یہ شخص متقی کامل بن جائے گا۔ اور یہ علاج میں نے بزرگوں کے ملفوظات سے سمجھا ہے۔

نفس کو عبادت پر آمادہ کرنے کی ترکیب

بعض بزرگوں کے حال میں لکھا ہے کہ اگر انکو بیس میل چلنا ہوتا تھا تو نفس سے صلح کرتے تھے کہ اے نفس دو میل تک ذکر میں مشغول ہو جا پھر تجھ کو اختیار ہے۔ جب دو میل ختم ہو گئے دو میل کیلئے پھر صلح کر لی۔ اسی طرح تمام منزل ختم کر دی اور اگر ابتدا ہی سے نفس کو معلوم ہو کہ مجھ کو تمام راستہ یہ شغل(۱) ہوگا تو ہرگز اس پر راضی نہ ہوگا۔ لیکن صاحبو! تقوی کلابی(۲) اختیار نہ کرنا کہ کتا جب موتتا ہے تو ٹانگ الگ کر لیتا ہے مگر کھانے میں نجاست بھی سامنے آ جاوے تو وہ بھی کھا جاتا ہے پس ٹانگ کو تو بچایا اور منہ کو آلودہ کر لیا۔ اسی طرح بعض لوگ وظیفوں کو تقوی سمجھتے ہیں اور حرام سے نہیں بچتے۔

تقویٰ کی حقیقت

تقوی ہر شے کا ہے۔ آنکھ کا تقوی یہ ہے کہ بری نگاہ سے کسی عورت یا مرد کو نہ دیکھے۔ زبان کا تقوی یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے کسی کو نہ ستاوے۔ اسی طرح ہاتھ کا تقوی یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے۔ شہوۃ(۳) کسی سے مس نہ کرے۔ پاؤں کا

(۱) پورے راستہ یہ ذکر کرنا ہوگا (۲) کتے جیسی پرہیزگاری (۳) شہوت کیساتھ کسی کو ہاتھ نہ لگائے۔

تقویٰ یہ ہیکہ بری جگہ چل کر نہ جاوے۔ کان کا تقوی یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سنے۔ راگ باجے سے بچے۔ وضع میں بھی تقوی ہے۔ کہ وضع خلاف شرع نہ رکھے۔ پیٹ کا تقوی یہ ہیکہ حرام مال نہ کھاوے۔

اشکال کا جواب

شاید یہاں یہ اشکال پیدا ہوگا کہ صاحب سب چیزوں کا تو تقوی ہے لیکن حرام آمدنی سے کیسے بچیں۔ اس لئے ہمارا تو سب مال حرام ہے۔ غلہ ہے وہ حرام آمدنی کا۔ لباس ہے وہ ناجائز اب اس کو کیسے چھوڑیں یہ سخت مشکل ہے۔ مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک مرتبہ چوہوں میں کمیٹی ہوئی سب چوہے جمع ہوئے اور اس میں گفتگو ہوئی کہ بلی نے ہمارے بنی نوع(۱) کو بہت ستایا ہے ہمیشہ کھا جاتی ہے۔ اس کا کچھ انتظام ہونا چاہئے۔ سب کی رائے اس پر قرار پائی کہ اسکو پکڑیں۔ کسی نے کہا میں ہاتھ پکڑلوں گا۔ کسی نے کہا ٹانگ پکڑلوں گا وعلی ہذا ایک بڑا چوہا خرانٹ چپکا سب کی باتیں سن رہا تھا اور بولتا نہ تھا۔ اخیر میں اس نے کہا کہ صاحبزادو! یہ سب کچھ ہے لیکن جب وہ میاؤں کرے گی تو اس کو کون پکڑے گا؟ کیا کرو گے؟ تو تمہارے نزدیک ایسے ہی اس حرام آمدنی کا اشکال ہے۔ جس کا کچھ جواب ہی نہیں جس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ دس روپے تو کل تنخواہ اور اسمیں گذر کنبہ کا چلتا نہیں اگر بالائی آمدنی نہ ہو تو کھاویں گے کہاں سے۔ صاحبو! میں میاؤں کا بھی علاج بتاتا ہوں۔ اگرچہ اس کے ظاہر کرنے کی جرات تو ہوتی تھی مگر میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان بہت تباہ حالت میں ہیں چین سے بہت دور جا گرے ہیں۔

(۱) ہماری نسل کو۔

اس لئے بضرورت ظاہر کرتا ہوں کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ہمارے لیے ایسی سہولتیں نکال دی ہیں کہ اگر ان سہولتوں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مبتلائے حرام ہو تو بڑا ہی بدبخت ہے وہ یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شے قرض کے روپیہ سے خریدی جاوے اور وہ قرض حرام آمدنی سے ادا کر دیا جاوے تو اس شئے میں خبث(۱) کا اثر نہیں آتا گو حرام آمدنی کمانے کا گناہ ہوگا تو آپ یہ کیجئے کہ رمضان بھر کے لئے تمام اشیاء کھانے پینے کی نقد نہ خریدے بلکہ کسی مہاجن سے یا کسی دوسرے مسلمان سے جس کی آمدنی حلال ہو پچاس روپے قرض لے کر تمام جنس خرید لیجئے اور پھر وہ قرض جہاں سے چاہے ادا کر دیجئے اس طور سے آپ حرام کے اثر سے رمضان بھر کیلئے بچ سکتے ہیں لیجئے وہ جو سب سے زیادہ سخت سوال تھا اس کا علاج ہو گیا، گو حرام روپے سے قرض ادا کرنے کا گناہ ہوگا مگر حرام کھانے سے تو بچے اور جو گناہ بالکل مہمل اور تفریح کے طور پر کئے جاتے ہیں ان کے چھوڑنے میں تو آپ کو کوئی عذر ہو ہی نہیں سکتا، اس طور سے آپ رمضان میں متقی بن سکتے ہیں اور پھر اس تقویٰ کا اثر آپ خود دیکھیں گے میرے بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہ تو رمضان کے لئے ہوا اور گیارہ مہینے کے لئے یہ کیجئے کہ نفس سے صلح کیجئے کہ ہر ماہ میں سے تین دن کے لئے اسی طرح تقویٰ اختیار کرے تو بقاعدہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها(۲) مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ تین بجائے تیس کے برکت میں ہو کر بقیہ ایام

(۱) اس لئے کہ قرض لینا حلال ہے اور جب کسی سے حلال روپیہ قرض لیا اور اس سے کھانے کی اشیاء خریدی تو وہ بھی حلال ہیں تو پورے رمضان حلال روزی کھائے گا حرام مال سے اس قرض کی ادائیگی کا گناہ اگر چہ ہوگا لیکن رمضان میں تو حلال رزق میسر آ گیا (۲) جو آدمی ایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اس قاعدے کے مطابق جو تین دن تقویٰ اختیار کرے تو دس گنا تیس دن تک اس کا اثر چلے گا۔

میں بھی اللہ تعالیٰ آپ کو تقویٰ کی دولت سے مالا مال کر دیں گے۔

نفس کو رام کرنے کی آسان ترکیب

ایک کام کی بات اور یاد آئی اور وہ ایک چھوٹی سی بچی سے مجھے حاصل ہوئی ہے بعض مرتبہ حقائق اور حکم مجانین(۱) اور بچوں سے بھی مل جاتی ہیں وہ یہ ہے کہ ایک بچی نے یہ کہا کہ نفس جس لذت و لطف کا تقاضا کرے اس کے جواب میں اس کو ردکو مت بلکہ ترک کی مہلت دو اور کہو کہ جنت میں چلکر اس لطف و لذت کو حاصل کریں گے حقیقت میں یہ عجیب بات ہے۔ بات یہ ہے کہ نفس کو گھوٹنا اور روکنا زیادہ ناگوار ہوتا ہے اور آزادی اور اس کی خواہش کو پورا کرنا یا وعدہ کر لینا آسان ہے چنانچہ اس تدبیر کا میں نے اول خود تجربہ کیا بہت ہی نافع ثابت ہوئی پھر میں نے اوروں کو بتایا انہوں نے بھی اس کا نافع ہونا ظاہر کیا۔ غرض کہ یہ تدبیر کیجئے اور اپنی اصلاح کی فکر کیجئے بے فکری بہت بُری شئے ہے اس سے گناہ بڑھتے چلے جاتے ہیں اور گناہ کے بڑھنے سے دل بے حس ہو جاتا ہے۔ پھر اچھے بُرے کی بھی تمیز نہیں رہتی اور پہلے تو وعیدات شرعیہ ہی متنبہ(۲) کرتی تھیں اور اب تو انقلابات عالم سے بھی تنبیہ ہو رہی ہے اگر ان تغیرات سے بھی اصلاح نہ ہو تو سخت افسوس ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین یا رب العلمین(۳)

---

(۱) حقائق اور حکمتیں دیوانوں اور بچوں سے حاصل ہو جاتے ہیں (۲) شرعی سزاؤں کی دھمکیاں ہی تنبیہ کا باعث تھیں (۳) ایسا ہی ہو، اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔ خلیل احمد تھانوی۔ ۸ ستمبر ۲۰۰۱ء

Ali Composer & Designer

291.Kamran Block Allama Iqbal Town Lahore.# 5414385